قرآنی علم و فہم کا درجہ حکمت

(قسط ۴)

مولانا محمد تقی امینی

"احسن تقویم" میں نوری امتزاج کا عمل طبعی خواص کو بارآور بنانے کی قدرتی کوشش ہے۔ اس بنا پر اس کا اثر کسی ایک "مجرّد توانائی" تک محدود نہیں رہتا بلکہ تمام طبعی قوتوں تک وسیع ہوتا ہے۔ مثلاً روح میں نورانی حقیقت کی آمیزش کا ثبوت یہ ہے۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ .... الخ[1]

"لوگ آپؐ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں؟ آپؐ کہہ دیجئے
کہ روح میرے رب کے امر سے ہے اور تم بہت تھوڑا علم دیئے گئے ہو"

آیت میں نورانی حقیقت کی تعبیر "امر رب" سے کی گئی ہے۔ جس کے ادراک کے لئے انسان کے سرمایۂ علم کو ناکافی قرار دیا گیا ہے۔ اس صورت میں لفظ مِنْ عربی قاعدے کے مطابق تبعیضیہ ہوگا۔ لیکن اس سے معنی و مفہوم میں کوئی خرابی نہ ہوگی جیسا کہ روح المعانی میں ہے۔

من امر ربی .... الخ[2]

"مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ میں مِنْ کلمۂ تبعیضیہ ہے اور بعضوں نے بیانیہ کہا ہے"

ابوالبقاء کہتے ہیں:- ان الروح .... الخ[3]

"روح وہ جوہرِ علوی ہے جس کی شان میں قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ"

---

[1] بنی اسرائیل آیت ۸۵ [3] ابوالبقاء حسینی کلیات ابوالبقاء فصل رابع

[2] سید محمد آلوسی روح المعانی ج ۱۵ بنی اسرائیل آیت ۸۵

کہا گیا ہے۔ یعنی وہ امر سے موجود ہے" پھر اسکے بعد ہے ۔

قبا لامر ....الخ[1]

" امر سے مراد ارواح (غیر مادی) کا وجود ہوتا ہے اور خلق سے مادّی اجسام کا وجود ہوتا ہے۔

شاہ ولی اللہ رح کہتے ہیں :

ان فی روح الانسان ....الخ[2]

" انسان کی روح میں ایک لطیفہ نورانی ہے جس کو طبعی طور پر اللہ کی طرف سے ویسی ہی کشش ہے جیسی لوہے کو مقناطیس کی طرف ہوتی ہے۔ یہ بات وجدان سے معلوم ہوتی ہے۔"

دوسری جگہ ہے :

کوۃ من عالم القدس[3].....الخ

"وہ عالم قدس کی طرف ایک روشن دان ہے۔"

عقل میں نورانی حقیقت کی آمیزش کا ثبوت عہد فطرت والی آیت اعتراف ربوبیت میں گذر چکا[4] جس کی تشریح حضرت ابی بن کعب سے یہ منقول ہے ۔

جمعهم فجعلهم ....الخ[5]

" اللہ نے ان کو جمع کیا، جوڑے جوڑے بنائے، ان کو گویائی دی۔ انہوں نے کلام کیا پھر ان سے عہد و پیمان لیا

محدثین نے فاستنطقهم (ان کو گویائی دی) کی یہ تشریح کی ہے

خلق فيهم العقل وطلب منهم النطق[6]

" اللہ نے ان میں عقل پیدا کی اور ان سے گویائی طلب کی۔"

---

[1] کلیات ابوالبقاء فصل والرابع [2] ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغۃ باب الایمان بان العبادۃ حق اللہ تعالی ....الخ [3] ایضاً، باب حقیقۃ الروح [4] سورہ اعراف، آیت ۷۲ [5] مشکوٰۃ کتاب الایمان بالقدر الفصل الثالث [6] مرقاۃ حاشیہ کتاب الایمان بالقدر

اسی آمیزش کی بنا پر راغب اصفہانی نے عقل کا یہ ثمرہ بیان کیا ہے:

من اشرف ثمرة العقل معرفة الله وحسن طاعته والکف عن معصیته[1]

"عقل کا اشرف ثمرہ اللہ کی معرفت، اس کی حسنِ طاعت اور اسکا معصیت سے رکنا ہے:

شاہ ولی اللہؒ کہتے ہیں:

العقل له وجهان .... الخ[2]

"عقل کے دو رخ ہیں ایک بدن واعضا (مادیات)، کی طرف ہے اور دوسرا ان سے خالص (نورانیت) کی طرف ہے"

قلب میں نورانی حقیقت کی آمیزش کا ثبوت یہ ہے:

واعلموا .... الخ[3]

"اور یہ یقین رکھو کہ اللہ آدمی اور اس کے قلب کے درمیان حائل ہے"

اسی آمیزش کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے قلب کے فیصلہ پر اعتماد ظاہر فرمایا:

البرّ ما اطمأن الیه القلب[4]

"نیکی وہ ہے جس سے دل کو اطمینان ہو"

امام غزالیؒ کہتے ہیں۔ القلب .... الخ[5]

"قلب اصل فطرت کے لحاظ سے فرشتے اور شیطان دونوں کے آثار قبول کرنے کی برابر صلاحیت رکھتا ہے۔ ان میں کسی کو دوسرے پر ترجیح نہیں ہے۔

شاہ ولی اللہؒ کہتے ہیں۔

---

[1] "راغب اصفہانی الذریعة الی مکارم الشریعة [2] ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، ج ۲، المقامات والاحوال [3] سورة الانفال آیت ۲۴ [4] امام احمد، مسند احمد ج ۴ من حدیث ابی ثعلبة الخشنی [5] الغزالی احیاء العلوم ج ۳ بیان تسلط الشیطان علی القلب بالوساوس۔

ان القلب .... الخ[1]

"قلب کے دو رُخ ہیں ایک بدن (اعضاء) کی طرف ہے اور دوسرا ان سے خالص (نورانیات) کی طرف ہے"

نفس میں نورانی حقیقت کی آمیزش کا ثبوت یہ ہے۔

یا ایتھا النفس المطمئنۃ .... الخ[2]

"اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف چل تو اس سے راضی ہے وہ تجھ سے راضی ہے"

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اس دُعا سے بھی ثبوت ملتا ہے:

اللّٰھم ات نفسی .... الخ[3]

"اے اللہ میرے نفس کو اس کا تقوٰی عنایت فرما اور آپ اس کا تزکیہ کر دیجئے، آپ تزکیہ کرنے والوں میں سب سے بہتر ہیں اور آپ ہی اس کے ولی و کارساز ہیں"

علّامہ ابن قیمؒ کہتے ہیں:

اید المطمئنۃ بجنود عدیدۃ .... الخ[4]

"اللہ نے نفس مطمئنہ کی متعدد لشکروں سے مدد کی اور فرشتہ کو ہم نشین بنایا"

نورانی امتزاج کے بعد ان طبعی قوتوں کی نوعیت بدل جاتی ہے اور ان کے ذریعے انسان کی بناوٹ میں وہ قدریں نقش ہو جاتی ہیں جو مبادی فطرت کہلاتی اور زندگی میں اعلیٰ صفات کا مظہر بنتی ہیں جیسا کہ اس کا ثبوت قرآنِ حکیم کی ان آیتوں میں ہے۔

ھل اتی علی الانسان .... الخ[5]

"کیا زمانہ میں انسان پر ایسا وقت گذرا ہے کہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا؟"

---

[1] ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ ج ۲، المقامات والاحوال [2] سورہ فجر آیت ۲۷ [3] مسلم و مشکٰوۃ، باب الاستعاذۃ الفصل الاول [4] ابن قیم کتاب الروح المسألۃ الحادیۃ والعشرون [5] سورۃ دھر آیت ۱ تا ۲

ہم نے انسان کو پانی کی ایک مخلوط بوند سے پیدا کیا۔ اس کو الٹتے پلٹتے رہے۔ یہاں تک کہ ہم نے اس کو دیکھنے سننے والا بنا دیا۔ ہم نے اس کو راہ سجھا دی۔ چاہے شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا بنے۔"

ان میں تخلیق و زندگی کے ابتدا کا ذکر ہے اور اس میں سمیع و بصیر (سننے والا اور دیکھنے والا) انسان کی تمام اعلیٰ قدروں کی نہایت جامع تعبیر ہے جس میں نیکی و بدی کا شعور، خیر و شر میں امتیاز اور ضمیر کی بیداری وغیرہ بھی شامل ہیں۔ قرآن حکیم میں ہے۔

فالھمھا .... الخ[1]

"ہم نے اس کو برائی اور پرہیزگاری الہام کر دی"

بل الانسان .... الخ[2]

"بلکہ انسان اپنے اوپر خود گواہ ہے خواہ وہ کتنے ہی عذر پیش کرے"

لا اقسم .... الخ[3]

"میں ملامت کرنے والے نفس کی قسم کھاتا ہوں"

ترتیب کچھ اس طرح معلوم ہوتی ہے کہ پہلے اجزائے ترکیبی کے خواص وجود میں آئے جن کو بارآور بنانے کے لئے نوری امتزاج کا عمل ہوا۔ پھر طبعی قوتوں کی نوعیت بدلی اور اعلیٰ قدروں کے نقوش ثبت ہوئے، پھر نور وحی کے ذریعہ نقوش کا نوری پیکر تیار ہوا جو دین فطرت کہلاتا ہے۔ یہ دین فطرت مبادی فطرت کے اس طرح مطابق ہے کہ انسان کی بناوٹ میں جو نقوش پوشیدہ تھے دین نے انہیں کے مطابق نوری پیکر تیار کیا جیسا کہ قرآن حکیم کی اس آیت میں دونوں کا ذکر ہے۔

فاقم وجھك .... الخ[4]

"تم یکسو ہو کر دین کی طرف رخ سیدھا کرو، یہی اللہ کی فطرت ہے جس پر

---

[1] سورہ شمس آیت ۸ | [2] سورہ قیامہ آیت ۲

[3] سورہ قیامہ آیت ۸ | [4] سورہ روم آیت ۳۰

اس نے لوگوں کو پیدا کیا۔ اللہ کی بناوٹ میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔ یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں۔
اسی بنا پر کہا جاتا ہے:

فالانسان بفطرته مامور باوامر الفطرة[1]

"انسان اپنی فطرت کے مطابق احکام فطرت پر مامور ہے۔"

فالدین الفطری یامر وینھی ما تأمر وتنھی عنہ الفطرة[2]

"فطری دین انہیں باتوں کا حکم دیتا اور انہیں سے منع کرتا ہے جن کا فطرت حکم دیتی اور جن سے فطرت منع کرتی ہے۔"

قدرت کی اس صناعی کا ادنیٰ نمونہ پھل، پھول اور سبزیوں کے پودوں میں بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ پہلے ان کی جڑیں پانی و نمکیات زمین سے کھینچتی ہیں پھر تنہ کے ذریعہ ان کو سبز پتیوں تک پہنچاتی ہیں۔ پھر سبز پتیاں سورج کی روشنی کی مدد سے ان کو خوراک میں تبدیل کرتی ہیں۔ اس طرح گویا پہلے طبعی خواص نے "عرق" نورِ فطرت سے کھینچا جن کو طبعی قوتوں کے ذریعہ نقوش تک پہنچایا گیا۔ پھر نورِ وحی کے ذریعے ان نقوش کے مطابق نوری پیکر تیار ہوا جو انسانیت کے لئے فراہمی غذا کا کام انجام دیتا ہے۔

اعلیٰ قدروں کے نقوش سبھی انسانوں کی بناوٹ میں پیوست ہوئے ہیں خواہ وہ نورِ وحی سے فیضیاب ہوئے ہوں یا محروم رہے ہوں، یہی وجہ ہے کہ زندگی ہر دور میں، زمین کے ہر خطہ اور انسانوں کی ہر نسل میں کچھ نہ کچھ قدریں پائی جاتی رہی ہیں۔ مثلاً سچائی، دیانت داری، مظلوموں کی دادرسی، مسکینوں کی خبرگیری، انسانوں کے ساتھ ہمدردی و حسنِ سلوک وغیرہ۔
قرآن حکیم نے ان قدروں کی تعبیر عرف و معروف سے کی ہے جس کے

---

[1] المعلم عبدالحمید فراہی القائد الی عیون العقائد۔ ص ۱۲۱
[2] ایضاً۔ ص ۱۶۴

معنی جانی پہچانی بات کے ہیں

وسمی اللہ ھذا الامر الفطری	اللہ نے قرآن میں اس امر فطری
فی القرآن المعروف [1]	کا نام معروف رکھا ہے۔

مفسرین نے یہ معنی بیان کئے ہیں:-

ھو ما تعارفہ الناس من	خیر و بھلائی کی وہ باتیں جن سے لوگ
الخیر [2]	متعارف ہوتے ہیں

دوسری جگہ ہے:-

والمعروف ھو ما حسن فی العقل	معروف وہ ہے جس کی شرع اور
والشرع [3]	عقل تحسین کرے

ابوبکر رازی نے زندگی کی تمام جہات کے لئے اس کلمہ کو جامع قرار دیا ہے

کلمۃ جامعۃ لجمیع جہات	امر بالمعروف کی تمام جہتوں کے
الامر بالمعروف [4]	لئے یہ کلمہ جامع ہے۔

قرآن حکیم نے انہیں قدروں کا "نوری پیکر" تیار کیا ہے جو دین کے نام سے موسوم ہے اور جس پر تمام نبیوں کا اتفاق ہے۔

شاہ ولی اللہؒ کہتے ہیں:

فطرۃ فطر اللہ الناس علیھا	وہ فطرت جس پر اللہ نے لوگوں کو
ولن تجد لفطرۃ اللہ تبدیلا	پیدا کیا اس میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ
ولیس ذالک الا فی اصول البر	پائیں گے اور یہ صرف نیکی و بدی کے
والاثم وکلیاتھا دون	اصول اور ان کے کلیات میں ہے۔
فروعھا وحدودھا وھذہ	فروع اور تفصیلات میں نہیں ہے۔

---

[1] المعلم عبدالحمید فراہی ۔ القاید الی عیون العقائد ص۱۲۱

[2] محمد عبدہ مصری تفسیر المنار ج ۹ ص۱۹۴

[3] ابوبکر جصاص احکام القرآن ج ۳ ص۳۸

[4] ابوبکر رازی تفسیر کبیر جز رابع ص۳۰۱ ، ص۳۰۲

الفطرة هو الدين الذی لا یختلف باختلاف الاعصار والانبیاء کلهم مجمعون علیه [1]

یہی فطرت وہ دین ہے جو زمانوں کے اختلاف سے مختلف نہیں ہوتی ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام اس پر متفق رہے ہیں۔

قرآن حکیم نے جو نوری پیکر تیار کیا ہے وہ ان اجزاء پر مشتمل ہے۔

(۱) ایمان و اعتقاد
(۲) طہارت و پاکی
(۳) عبادت و طاعت
(۴) تصور نیکی و بدی ——— ادہ
(۵) تصور پاکیزگی و گندگی

(۱) ایمان و اعتقاد سے متعلق نوری پیکر (دین) کی بنیادی باتیں مثلاً ہر قسم کی خوبیوں کے ساتھ اللہ کو متصف سمجھنا۔ ان سے اللہ کی پاکی بیان کرنا جو اس کی شان کے مناسب ہیں۔ یہ عقیدہ رکھنا کہ تمام حوادث سے پہلے اللہ کے علم میں ایک اندازہ مقرر ہے۔ اللہ کے فرشتے ہیں جو اس کی نافرمانی نہیں کرتے۔ اللہ نے اپنے بندوں میں سے جسے چاہا رسول بنایا اور کتاب دی۔ قیامت، مرنے کے بعد کی زندگی، جنت و دوزخ سب حق ہیں۔

(۲) طہارت و پاکی سے متعلق نوری پیکر (دین) کی بنیادی باتیں مثلاً: جسم و لباس کو گندگی و میل کچیل سے پاک و صاف رکھنا، قلب و دماغ کو ہر قسم کی آلودگیوں اور آلائشوں سے دور رکھنا، نفس و شرمگاہ کو کثافتوں و غلط کاریوں سے محفوظ رکھنا، زبان، آنکھ، کان وغیرہ کو غلط استعمال سے بچانا۔

(۳) عبادت و طاعت سے متعلق نوری پیکر (دین) کی بنیادی باتیں مثلاً اللہ کی زیادہ سے زیادہ تعظیم کرنا، چہرہ اور دل اس کے سپرد کرنا، خالص

---

[1] ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ باب اقتضاء التکلیف والمجازاۃ

اسی کی عبادت وطاعت کو اپنے اوپر فرض سمجھنا، شعائر (خالص اللہ کی یادگار) کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرنا، عبادت وطاعت میں غیر کی شرکت کو حرام سمجھنا اور اس کو نفع وضرر کا مالک ومختار سمجھنا۔

(۴) نیکی وبدی سے متعلق نوری پیکر (دین) کی بنیادی باتیں مثلاً دل کی پاکی وعمل کی سچائی جس کے لئے محض ضابطہ کی خانہ پُری کافی نہیں بلکہ اللہ سے مستقل ربط وتعلق ضروری ہے، نیکی زندگی کے کسی ایک گوشہ میں محدود نہیں بلکہ اس کا تعلق زندگی کے تمام گوشوں سے ہے۔ کمال نیکی حاصل کرنے کے لئے اپنی پسندیدہ چیزوں کی قربانی لازمی ہے۔ نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرنا۔

(۵) پاکیزہ وگندی چیزوں سے متعلق نوری پیکر (دین) کی بنیادی باتیں مثلاً پاکیزہ وگندی چیزیں برابر نہیں ہیں۔ ایک کو دوسرے سے بدلنے کی اجازت نہیں۔ گفتگو، تعلقات، روزی، زندگی اور اولاد وغیرہ ہر ایک میں پاکیزگی کو اختیار کرنا اور گندگی سے دور رہنا۔

ان اجزاء کی اجمالی نمائندگی (نوری پیکر تیار ہونے سے پہلے) انبیاء علیہم السلام کی زندگی میں بھی موجود ہوتی ہے جو فطرت کی آواز ہوتی ہے۔ اور "نقوش" کے لئے عملی ثبوت فراہم کرتی ہے۔

مذکورہ تفصیلات کی روشنی میں یہ نظریہ صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ فطرت کی لوح سادہ وبے نقش ونگار ہے۔ اس میں جو کچھ ہے وہ صرف ماحول وعادات کا پیدا کردہ ہے۔ اس نظریہ کی تردید زندگی کے ابتدائی خطابات سے بھی ہوتی ہے۔ جب کہ ماحول وعادت نے جڑ نہیں پکڑی تھی۔ وہ یہ ہیں:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ انزلنا...... الخ [1]

"اے اولاد آدم! ہم نے تم پر لباس اتارا جو تمہارے لئے ستر پوشی بھی ہے اور زینت بھی۔ مزید برآں تقویٰ کا لباس ہے جو اس سے بھی

---

[1] سورۂ اعراف آیت ۲۶، ۲۷، ۳۱، ۳۵

بڑھ کر ہے۔ یہ اللہ کی آیات میں سے ہے تاکہ وہ یاد دہانی حاصل کریں۔

اے اولادِ آدم! شیطان تمہیں فتنہ میں نہ ڈالنے پائے۔ جسطرح اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکلوایا ان کے لباس اتروا کر کہ ان کے سامنے بے پردہ کردے۔ وہ اور اس کا جتھا تم کو وہاں سے دیکھتا ہے جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھتے۔ ہم نے شیطان کو ان لوگوں کا رفیق بنادیا ہے جو ایمان سے محروم ہیں۔

اے اولادِ آدم! ہر مسجد کی حاضری کے وقت اپنے لباس پہنو اور کھاؤ پیو البتہ اسراف نہ کرو۔ اللہ اسراف کرنے والے کو پسند نہیں کرتا ہے۔

اے اولادِ آدم! اگر تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول آئیں تم کو میری آیات سنائیں تو جو ڈرا اور جس نے اصلاح کرلی ان کے لئے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جو میری آیات کو جھٹلائیں گے اور تکبّر کرکے ان سے اعراض کریں گے، وہ دوزخ والے ہیں اور وہ آگ میں ہمیشہ رہیں گے۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کی ہدایتیں ابتدائی مرحلہ میں بے نقش ونگار لوح کو نہیں دی جاسکتی ہیں۔ اسی طرح یہ نظریہ بھی صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ انسان ابتداء میں خیر وبھلائی، حق وعدل، تقویٰ وطہارت وغیرہ سے بالکل ناواقف تھا۔ ایک طویل فکری واخلاقی سفر کے بعد ان اقدار تک اس کی رسائی ہو سکی ہے۔ اس کی تردید آدمؑ کے دو بیٹے ہابیل وقابیل کی سرگذشت سے بھی ہوتی ہے کہ ابتداء میں نہ صرف ان قدروں کا تصوّر موجود تھا بلکہ ان عملاً ظہور ہو رہا ہے۔ وہ یہ ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَم........الخ [۱]

اور ان کو آدمؑ کے دو بیٹوں کی سرگذشت حق کے ساتھ سنائیے جب کہ

---

[۱] سورۂ مائدہ آیت ۲۷ تا ۳۱

> ان دونوں نے قربانی پیش کی تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول ہوئی اور دوسرے کی نہیں قبول ہوئی۔ اس (قابیل) نے کہا کہ میں تجھے قتل کر دونگا اس (ہابیل) نے جواب دیا کہ اللہ تو اپنے متقی بندوں کی قربانی قبول کرتا ہے۔ اگر تم مجھے قتل کرنے کے لئے مجھ پر دست درازی کروگے تو میں تم پر دست درازی کرنے والا نہیں ہوں۔ میں اللہ رب العزت سے ڈرتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ میرا گناہ اور اپنا گناہ تم ہی سمیٹ لو اور جہنم والوں میں سے ہو جاؤ۔ یہی سزا ظلم کرنے والوں کی ہے۔ بالآخر (اس (قابیل) کے نفس نے اس کو اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر لیا اور وہ اس کو قتل کر کے خسارہ پانے والوں میں ہو گیا۔ پھر اس کے بعد اللہ نے ایک کوے کو بھیجا جو زمین میں کریدتا تھا تاکہ وہ اس کو دکھائے کہ اپنے بھائی کی لاش کو کس طرح چھپائے۔ اس (قابیل) نے کہا کہ ہائے میری کم بختی! کیا میں اس کوے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش کو ڈھانک دیتا۔ غرض کہ وہ اس پر شرمندہ ہوا۔"

اس سرگذشت سے ایمان باللہ، خوفِ خدا، اخلاص و تقویٰ، حق و عدل، عزت کی حفاظت، جان کا احترام، قربانی، ندامت اور ضمیر کی بیداری کا ثبوت ملتا ہے، جس کے لئے طویل فکری و اخلاقی سفر کا موقع ہی نہ ملا تھا۔

اسی طرح یہ نظریہ بھی غلط ہے کہ دین کا آغاز شرک سے ہوا اور بتدریج ترقی کرتے کرتے انسان توحید تک پہنچا بلکہ صحیح یہ ہے کہ دین کا آغاز توحید سے ہوا۔ یہی اس کی فطرت کی صدا ہے جیسا کہ عہدِ فطرت والی آیت میں اللہ کی ربوبیت کا اقرار ہے جس سے اس کا ثبوت فراہم کیا گیا اور آدم کے دونوں بیٹوں کی سرگذشت میں اس کی تائید موجود ہے پھر بعد کی آیتوں میں عہدِ فطرت کی جو وجہ بیان کی گئی اس سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے وہ یہ ہیں:

اَوْ تَقُوْلُوْا .... الخ[1]

---

[1] سورہ اعراف آیت ۱۷۲ : ۱۷۴

"یہ ہم نے اس لئے کیا کہ شاید قیامت کے دن تم یہ عذر کرنے لگو کہ ہم تو اس سے بےخبر ہی رہے یا یہ عذر کرو کہ ہمارے باپ دادا نے پہلے سے شرک کیا۔ ہم ان کے بعد ان کی اولاد ہوئے تو کیا باطل پرستوں کے عمل کی پاداش میں آپ ہم کو ہلاک کرینگے"

اسی طرح یہ نظریہ بھی غلط ہے کہ دین کی ابتدا حیرت و خوف کے جذبہ سے ہوئی کہ جب انسان کو خوفناک و ڈراؤنی چیزوں سے اپنے تحفظ کی ضرورت ہوئی تو ان کو راضی کرنے کے لئے خوشامد و لجاجت کی ضرورت پیش آئی۔ یہیں سے پوجا پاٹ کی داغ بیل پڑی اور مختلف چیزوں کی پرستش شروع ہوگئی، بلکہ صحیح یہ ہے کہ دین کی ابتدا تعظیم و محبت کے جذبہ سے ہوئی کہ جس نے انسان کو منعم کی شکرگذاری و فرمانبرداری پر آمادہ کیا اس کا ثبوت عہد فطرت والی آیت میں اقرار ربوبیت سے ہوتا ہے جو بجائے خود مربی سے انس و محبت اس کی تعظیم و تکریم اور اس کی فرمانبرداری و شکرگذاری کی طرف دعوت ہے۔ قرآنی لغت میں رب کے یہ معنی بیان کئے گئے ہیں

ھو انشاء الشئ حالا فحالا الی حد التمام[1]	کسی شے کو مختلف حالتوں اور ضرورتوں کے مطابق اس طرح نشو و نما دیتے رہنا کہ وہ حد کمال تک پہنچ جائے۔

مفسرین نے اللہ کے اقرار کے بجائے رب کے اقرار کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ اہل عرب کو اللہ کے اللہ ہونے سے انکار نہ تھا بلکہ رب انہوں نے اللہ کے سوا اور بھی بنا لئے تھے۔ یہ توجیہ بھی صحیح ہے لیکن اس سے زیادہ گہری اور جامع حقیقت یہ ہے کہ قرآن جس طرح اہل عرب کے لئے ہے اسی طرح ہر جگہ کے انسانوں کے لئے ہے۔ اس میں ان تمام نظریات کی تردید موجود ہے جو وقتاً فوقتاً ایجاد ہوتے رہتے اور انسان کی خالص فطرت اور اس کی صدا کو داغدار بنانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ (باقی آئندہ)

---

[1] راغب اصفہانی، المفردات